B.A, Part-1 URDU (MB)
Paper- Essay (Prose)
Topic: Char Pai -By- Rasheed Ahmad Siddiqi

Notes By:
Dr. Masroor Haidri,
Department of Urdu,

J.K College, Biraul, Darbhanga.

رشید احمد صدیقی

اردو دنیا کے معروف و مقبول ادیب اور طنز نگار رشید احمد صدیقی، 24/دسمبر 1892 کو اتر پردیش کا ضلع جونپور میں پیدا ہوئے۔ فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی بعد ازاں جون پور کے ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ ہائی اسکول کی تعلیم کے بعد 1915 میں علی گڑھ آئے۔ علی گڑھ میں زمانہ طالب علمی کے دوران علمی سرگرمیوں میں خوب حصہ لیا۔ علی گڑھ میگزین کے کئی بار ایڈیٹر رہے۔ 1921 میں اردو میں لیکچرار اور 1943 میں صدر شعبہ اردو ہوئے۔ رشید احمد صدیقی کی زندگی کا بیشتر حصہ علی گڑھ ہی میں گزرا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں بھی درس و تدریس سے جڑے رہے لہذا ان کی تحریروں میں علی گڑھ کا عکس نظر آتا ہے۔

15/جنوری 1977 کو آپ کا انتقال ہوا۔

رشید احمد صدیقی نے بہت مضامین لکھے ہیں، جس میں ان کے مزاحیہ اور طنزیہ مضامین کو کافی انفرادیت حاصل ہے۔ ان کے طنز میں تلخی اور زہرناکی کا احساس نہیں ہوتا وہ چھوٹے چھوٹے فقروں سے بہت کام لیتے ہیں۔ ان کے فن میں عامیانہ پن نہیں بلکہ گہرائی اور گیرائی کا بول بالا ہے۔ انھوں نے زندگی کے ہر پہلو کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ شعر و ادب سے قطع نظر سیاست، تاریخ اور دیگر علوم و فنون کو بھی اپنے موضوع میں شامل کر لیا ہے جس کے سبب ان کے طنز و مزاح سے لطف اٹھانا آسان کام نہیں بلکہ خاصا باشعور اور بے حد شائستہ مذاق کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ان کے مزاح کے موضوعات میں تنوع اور رنگارنگی ہے۔ طنز و مزاح کے

کسی خاص مکتبِ خاہل سے ان کی وابستگی نہیں رہی، انھوں نے سامراج، پارلیمان اور آئی سی ایس عہدیداروں پر کاری چوٹیں کیں۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو ایک قومی اور بین الاقوامی ادارہ ہے رشید صاحب نے وہاں اپنا وقت ایک طالبِ علم اور استاد کی حیثیت سے گذارا، ان کی پوری ذہنیت علی گڑھ کی ہے جو ہندوستانی تہذیب کے بڑے طبقے کی سماجی زندگی سے ماخوذ ہے۔

ان کی مشہور کتاب "مضامین رشید" میں کل 20 مضامین شامل ہے، ان میں ایک اہم مزاحیہ مضمون "چارپائی" ہے جو کہ ہمارے نصاب شامل ہے، یہاں مضمون چارپائی کا متن پیش ہے۔۔

چارپائی

(رشید احمد صدیقی)

چارپائی اور مذہب ہم ہندوستانیوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ہم اسی پر پیدا ہوتے ہیں اور یہیں سے مدرسہ، آفس، جیل خانے کونسل یا آخرت کا راستہ لیتے ہیں۔ چارپائی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم اس پر دوا کھاتے ہیں۔ دعا اور بھیک بھی مانگتے ہیں۔ کبھی فکرِ سخن کرتے ہیں اور کبھی فکرِ قوم، اکثر فاقہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ہم کو چارپائی پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا برطانیہ کو آئی سی ایس پر۔شاعر کو قافیہ پر یا طالب علم کو غل غپاڑے پر۔

چارپائی کی پیڑھی دور چل کر دیوجانس کلبی کے خم سے جاملتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تمام دنیا سے منہ موڑ کر دیوجانس ایک خم میں جا بیٹھا تھا۔ ہندوستانی تمام دنیا کو چارپائی کے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ ایک نے کثرت سے وحدت کی طرف رجوع کیا۔ دوسرے نے وحدت میں کثرت کو سمیٹا۔

ہندوستانی ترقی کرتے کرتے تعلیم یافتہ جانور ہی کیوں نہ ہو جائے اس سے اس کی چارپائیت نہیں جدا کی جاسکتی۔ اس وقت ہندستان کو دو معرکے درپیش ہیں۔ ایک سوراج کا دوسرا روشن خیال بیوی کا۔ دراصل سوراج اور روشن خیال بیوی دونوں ایک ہی مرض کی دو علامتیں ہیں۔ دونوں چارپائیت میں مبتلا ہیں۔ سوراج تو وہ ایسا چاہتا ہے جس میں انگریز کو حکومت کرنے اور ہندستانی کو گالی دینے کی آزادی ہو۔ اور بیوی ایسی چاہتا ہے جو گریجویٹ ہو لیکن گالی نہ دے۔

اس طور پر ہندوستانی شوہر اور تعلیم یافتہ بیوی کے درمیان جو کھینچ تان ملتی ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ شوہر چارپائی پر سے حکومت کرنا چاہتا ہے اور بیوی ڈرائنگ روم سے گھنٹی بجاتی ہے۔ روشن خیال بیوی شہرت کی آرزومند ہوتی ہے۔ دوسری طرف شوہر یہ چاہتا ہے کہ بیوی تو صرف فرد خاندان ہونے پر صبر کریا ور خود فخر خاندان نہیں بلکہ فخر کائنات قرار دیا جائے۔

موتی لال نہرو رپورٹ سے پہلے ہندستانیوں پر دو مصیبت نازل تھیں۔ ایک ملیریا کی دوسری مس میو المعروف بہ مادرِ ہند کی۔ ملیریا

کا انسداد کچھ تو کونین سے کیا گیا بقیہ کا کثرت اموات سے۔ مس میو کے تدارک میں ہندو مسلمان دونوں چارپائی پر سر بزانو اور چوراہوں پر دست وگریباں ہیں۔ نہرو رپورٹ اور مادر ہند دونوں میں ایک نسبت ہے ایک مسلمانوں کے سیاسی حقوق کو اہمیت نہ دی۔ دوسری نے ہندوؤں کے معاشرتی رسوم وروایات کی توہین کی!

مادر ہند کے بارے میں چارپائی نشینوں کی یہ رائے ہے کہ اس کتاب کے شائع ہونے سے ان کو ہندوستانیوں سے زیادہ مس میو کے بارے میں رائے قائم کرنے کا موقع ملا۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر سارے ہندوستان سے شمار واعداد اور مواد اکٹھا کرنے کے بجائے موصوفہ نے صرف ہم ہندوستانیوں کی چارپائی کا جائزہ لیا ہوتا تو ان کی تصنیف اس سے زیادہ دلچسپ ہوتی جتنی کہ اب ہے۔

چارپائی ہندوستانیوں کی آخری جائے پناہ ہے۔ فتح ہو یا شکست وہ رخ کرے گا ہمیشہ چارپائی کی طرف۔

پھر وہ چارپائی پر لیٹ جائیگا۔ گائیگا، گالی دے گا یا مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات پڑھنا شروع کردے گا۔

فن جنگ یا فن صحافت کی رو سے آج کل اس طرح کے وظائف ضروری اور نفع بخش خیال کئے جاتے ہیں۔ جس طرح ہر مالدار شریف یا خوش نصیب نہیں ہوتا اس طرح ہر چارپائی نہیں ہوتی۔ کہنے کو تو پلنگ پلنگڑی۔ چوکھٹ مسہری۔ سب پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے لیکن سیاسی لیڈروں کے سیاسی اور مولویوں کے مذہبی تصور کے مانند چارپائی کا صحیح مفہوم اکثر متعین نہیں ہوتا۔

چارپائی کی مثال ریاست کے ملازم سے دے سکتے ہیں۔ یہ ہر کام کے لیے ناموزوں ہوتا ہے اس لیے ہر کام پر لگا دیا جاتا ہے۔ ایک ریاست میں رکوئی صاحب ''ولایت پاس'' ہوکر آئے۔ ریاست میں کوئی اسامی نہ تھی جوان کو دی جاسکتی۔ آدمی سوجھ بوجھ کے تھے راجہ صاحب کے کانوں تک یہ بات پہنچادی کہ کوئی جگہ نہ ملی تو وہ لاٹ صاحب سے طے کر آئے ہیں۔ راجہ صاحب ہی کی جگہ پر اکتفا کریں گے۔ ریاست میں ہلچل مچ گئی۔ اتفاق سے ریاست کے سول سرجن رخصت پر گئے ہوئے تھے۔ یہ ان کی جگہ پر تعینات کردیئے گئے۔ کچھ دنوں بعد سول سرجن صاحب واپس آئے تو انجینئر صاحب پر فالج گرا۔ ان کی جگہ ان کو دے دی گئی۔ آخری بار یہ خبر سنی گئی کہ وہ ریاست کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہوگئے تھے اور اپنے ولی عہد کو ریاست کے ولی عہد کا مصاحب بنوادینے کی فکر میں تھے۔

یہی حالت چارپائی کی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ان ملازم صاحب سے کہیں زیادہ کارآمد ہوتی ہے! فرض کیجئے آپ بیمار ہیں سفر آخرت کا سامان میسر ہو یا نہ ہو اگر چارپائی آپ کے پاس ہے تو دنیا میں آپ کو کسی اور چیز کی حاجت نہیں۔ دوا کی پڑیہ تکئے کے نیچے۔ جوشاندہ کی دیگچی سرہانے رکھی ہوئی۔ بڑی بیوی طبیب چھوٹی بیوی خدمت گزار۔ چارپائی سے ملا ہوا بول و براز کا برتن۔ چارپائی کے نیچے میلے کپڑے، مچھر، بھنگے گھر یا محلے کے دو ایک بچے جن میں آدھ ز کام خسرے میں مبتلا! اچھے ہوگئے تو بیوی نے چارپائی کھڑی کر کے غسل کرادیا ورنہ آپ کی دشمن اسی چارپائی پر لب گور لائے گئے۔ ہندوستانی گھرانوں میں چارپائی کو ڈرائنگ

روم، سونے کا کمرہ، غسل خانہ، قلعہ، خانقاہ، خیمہ، دواخانہ، صندوق، کتاب گھر، شفاخانہ، سب کی حیثیت کبھی کبھی بہ یک وقت ورنہ وقت وقت پر حاصل رہتی ہے۔ کوئی مہمان آیا۔ چارپائی نکالی گئی۔ اس پر ایک نئی دری بچھادی گئی جس کے تہہ کے نشان ایسے معلوم ہوں گے جیسے کسی چھوٹی سی آراضی کو مینڈوں اور نالیوں سے بہت سے مالکوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور مہمان صاحب معہ اچکن، ٹوپی، بیگ بغچی کے بیٹھ گئے۔ اور تھوڑی دیر کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار ہوگیا کہ مہمان بیوقوف ہے یا میزبان بدنصیب! چارپائی ہی پر ان کا منہ ہاتھ دھلوایا اور کھانا کھلایا جائے گا اور اسی چارپائی پر یہ سو رہیں گے۔ سو جانے کے بعد ان پر سے مچھر مکھی اس طرح اڑائی جائے گی جیسے کوئی پھیری والا اپنے خونہ۔ پر سے جھاڑ و نما مور چھل سے مکھیاں اڑا رہا ہو۔

چارپائی پر سوکھنے کے لیا ناج پھیلایا جائیگا۔ جس پر تمام دن چڑیاں حملے کرتی دانے چگتی اور گالیاں سنتی رہیں گی۔ کوئی تقریب ہوئی تو بڑے پیمانے پر چارپائی پر آلو چھیلے جائیں گے۔ ملازمت میں پنشن کے قریب ہوتے ہیں تو جو کچھ رخصت جمع ہوئی رہتی ہے اس کو لے کر ملازمت سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس طرح چارپائی پنشن کے قریب پہنچی ہے تو اس کو کسی کال کوٹھری میں داخل کردیتے ہیں اور اس پر سال بھر کر پیاز کا ذخیرہ جمع کردیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ دیہات کے ایک میزبان نے پیاز ہٹا کر اس خاکسار کو ایسی ہی ایک پنشن یافتہ چارپائی پر اسی کال کوٹھری میں بچھا دیا تھا اور پیاز کو چارپائی کے نیچے اکٹھا کردیا گیا تھا۔ اس رات کو مجھ پر آسمان کے اتنے ہی طبق روشن ہوگئے تھے جتنی ساری پیازوں میں چھلکے تھے اور یقیناً چودہ سے زیادہ تھے۔

فراق اور وصال، بیماری و تندرستی، تصنیف و تالیف، سرقہ اور شاعری سب سے چارپائی ہی پر نپٹتے ہیں۔ بچے بوڑھے اور مریض اس کو بطور پاخانہ غسل خانہ کام میں لاتے ہیں۔ کبھی ادوان کشادہ کردی گئی۔ کبھی بنا ہوا حصہ کاٹ دیا گیا اور کام بن گیا۔ پختہ فرش پر گھسیٹئے تو معلوم ہو کوئی ملٹری ٹینک مہم پر جا رہا ہے یا بجلی کا تڑاقا ہو رہا ہے کھٹلوں سے نجات پانے کے لیے جو ترکیبیں کی جاتی ہیں اور جس جس آسن میں چارپائی نظر آتی ہے یا جو سلوک اس کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے ان پر غور کرلیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہندوستانی بیوی کا تخیل ہندوستانیوں نے چارپائی ہی سے لیا ہے!

دو چارپائیاں اس طور پر کھڑی کردیں کہ ان کے پائے آمنے سامنے ہوگئے ان پر ایک کملو دری یا چادر ڈال دی۔ کمرہ تیار ہوگیا۔ گھر میں بچوں کو اس طرح کا حجرہ بنانے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ یہاں وہ ان تمام باتوں کی مشق کرتے ہیں جو ماں باپ کو کرتے دیکھتے ہیں۔ ایٹن اور ہیرو انگلستان کے دو مشہور پبلک اسکول ہیں۔ ان کے کھیل کے میدان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ واٹرلو کی تاریخی جنگ یہیں جیتی گئی تھی۔ میرا کچھ ایسا خیال ہے کہ ہندوستان کی ساری مہم ہم ہندوستانی چارپائی کے اسی گھروندے میں سر کر چکے ہوتے ہیں۔

برسات کی سڑی گرمی پڑ رہی ہو کسی گھریلو تقریب میں آپ دیکھیں گے کہ محلّہ نہیں سارے قصبہ کی عورتیں خواہ وہ کسی سائز، عمر، مزاج یا مصرف کی ہوں رونق افروز ہیں۔ اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہر عورت کی گود میں دو ایک بچہ یا ورزبان پر پان سات

کلمات خیر ضرور رہوں گے۔ کتنی زیادہ عورتیں کتنی کم جگہ میں آجاتی ہیں اس کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا جب تک کہ چارپائی کے بعد کسی یکہ اور تانگہ پر ان کو سفر کرتے نہ دیکھ چکا ہو۔ یہ اللہ کی مصلحت اور ایجاد کرنے والے کی پیش بینی ہے کہ ہانکنے والے اور گھوڑے دونوں کی پشت سواریوں کی طرف ہوتی ہے۔ اگر کہیں یہ سواریوں کو دیکھتے ہوتے تو یقیناً غش کھا کر گر پڑتے۔

چارپائی ایک اچھے بکس کا بھی کام دیتی ہے۔ تکیہ کے نیچے ہر قسم کی گولیاں جن کے استعمال سے آپ کے سوا کوئی اور واقف نہیں ہوتا۔ ایک آدھ روپیہ، چند دھیلے پیسے، اسٹیشنری، کتابیں، رسالے، جاڑے کے کپڑے، تھوڑا بہت ناشتا، نقش سلیمانی، فہرست دواخانہ، سمن، جعلی دستاویز کے کچھ مسودے۔ یہ سب چارپائی پر لیٹے لیٹے ان میں سے ہر ایک کو اجالا ہو یا اندھیرا اس صحت کے ساتھ آنکھ بند کر کے نکال لیتے اور پھر رکھ دیتے جیسے حکیم نابینا صاحب مرحوم اپنے لمبے چوڑے بکس میں سے ہر مرض کی دوائیں نکال لیتے اور پھر رکھ دیتے۔

حکومت بھی چارپائی ہی پر سے ہوتی ہے۔ خاندان کے کرتا دھرتا چارپائی ہی پر براجمان ہوتے ہیں۔ وہیں سے ہر طرح کے احکام جاری ہوتے رہتے ہیں اور ہر گناہ گار کو سزا بھی وہیں سے دی جاتی ہے۔ آلات سزا میں ہاتھ پاو؟ں۔ زبان کے علاوہ ڈنڈا، جوتا، تاملوٹ بھی ہیں جنہیں اکثر پھینک کر مارتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ توقف کرنے میں غصہ کا تاؤ مدھم نہ پڑ جائے اور ان آلات کو مجرم پر استعمال کرنے کے بجائے اپنے اوپر استعمال کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہونے لگے۔

چارپائی ہی کھانے کا کمرہ بھی ہوتی ہے۔ باورچی خانہ سے کھانا چلا اور اس کے ساتھ پانچ سات چھوٹے بڑے بچے اتنی ہی مرغیاں، دو ایک کتے، بلی اور بے شمار مکھیاں آ پہنچیں۔ سب اپنے قرینے سے بیٹھ گئیں۔ صاحب خانہ صدر دسترخوان ہیں۔ ایک بچہ زیادہ کھانے پر مار کھاتا ہے دوسرا بدتمیزی سے کھانے پر تیسرا کم کھانے پر چوتھا زیادہ کھانے پر اور بقیہ اس پر کہ ان کو مکھیاں کھائے جاتی ہیں۔ دوسری طرف بیوی مکھی اڑاتی جاتی ہے اور شوہر کی بدزبانی سنتی اور بدتمیزی سہتی جاتی ہے۔ کھانا ختم ہوا۔ شوہر شاعر ہوئے تو ہاتھ دھو کر فکر سخن میں چارپائی ہی پر لیٹ گئے کہیں دفتر میں ملازم ہوئے تو اس طرح جان لے کر بھاگے جیسے گھر میں آگ لگی ہے اور کوئی مذہبی آدمی ہوئے تو اللہ کی یاد میں قیلولہ کرنے لگے بیوی بچے بدن دبانے اور دعائیں سننے لگے۔

کوئی چیز خواہ کسی قسم کی ہو کہیں گم ہوئی ہو ہندوستانی اس کی تلاش کی ابتدا؟ چارپائی سے کرتا ہے اس میں ہاتھی سوئی بیوی بچے موزے، مرغی چور کسی کی تخصیص نہیں۔ رات میں کھٹکا ہوا اس نے چارپائی کے نیچے نظر ڈالی۔ خطرہ بڑھا تو چارپائی کے نیچے پناہ لی۔ زندگی کی شاید ہی کوئی ایسی سرگرمی ہو جو چارپائی یا اس کے آس پاس نہ انجام پائی ہو۔

چارپائی ہندوستان کی آب وہوا تمدن و معاشرت ضرورت اور ایجاد کا سب سے بھرپور نمونہ ہے۔ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے مانند ڈھیلی ڈھالی شکستہ حالی بے سروسامان لیکن ہندوستانیوں کی طرح غالب اور حکمران کے لیے ہر قسم کا سامان راحت فراہم کرنے

کے لیے آمادہ۔ کوچ اور صوفے کے دلدادہ اور ڈرائنگ روم کے اسیر اس راحت و عافیت کا کیا اندازہ لگا سکتے ہیں جو چارپائی پر میسر آتی ہے! شعرا نے انسان کی خوشی اور خوشحالی کے لیے کچھ باتیں منتخب کر لی ہیں مثلاً سچے دوست، شرافت فراغت اور گوشہ چمن ہندوستان جیسے غریب ملک کے لیے عیش و فراغت کی فہرست اس سے مختصر ہونی چاہیے۔ میرے نزدیک تو صرف ایک چارپائی ان تمام لوازم کو پورا کر سکتی ہے۔

بانوں کی ٹوٹی ہوئی چارپائی جسے مکّے کے کھیت میں بطور مچان باندھ دیا گیا ہے۔ ہر طرف جھومتے لہلہاتے کھیت ہیں۔ بارش نے گرد و پیش کو شگفتہ و شاداب کر دیا ہے۔ دور دور جھیلیں جھمکتی، جھلکتی نظر آتی ہیں جن میں طرح طرح کے آبی جانور اپنی اپنی بولیوں سے برسات کی علمداری اور مزیداری کا اعلان کرتے ہیں۔ مچان پر بیٹھا ہوا کسان کھیت کی رکھوالی کر رہا ہے اس کے یہاں نہ آسائش ہے۔ نہ آرائش نہ عشق و عاشقی، نہ علم و فضل نہ دولت و اقتدار لیکن یہ سب چارپائی پر بیٹھے ہوئے اسی کسان کی محنت کا کرشمہ ہیں۔ پھر ایک دن آئے گا جب اس کی پیداوار کو چور مہاجن یا زمیندار لوٹ لیں گے اور اسی چارپائی پر اس کو سانپ ڈس لے گا اور قصہ پاک ہو جائے گا۔

برسات ہی کا موسم ہے۔ گاؤں میں آموں کا باغ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں، کوئل کوکتی ہے ہوا لہکتی ہے۔ گاؤں میں لڑکے لڑکیاں دھوم مچا رہی ہیں۔ کہیں کوئی پکا ہوا آم ڈال سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔ سب کے سب جھپٹتے ہیں۔ جس کو مل گیا وہ ہیرو بن گیا۔ جس کو نہ ملا اس پر سب نے ٹھٹھے لگائے۔ یہی لڑکے لڑکیاں جو اس وقت کسی طرح قابل التفات نظر نہیں آتیں کسے معلوم آگے چل کر زمانہ اور زندگی کی کن نیرنگیوں کو اُجاگر کریں گے کتنے فاقے کریں گے کتنے فاتح بنیں گے کتنے نامور اور نیک نام کتنے گمنام و نافرجام اور یہ خاکسار ایک کھری چارپائی پر اس باغ میں آرام فرما رہا ہے۔ چارپائی باغبان کی ہے۔ باغ کسی اور کا ہے۔ لڑکے لڑکیاں گاؤں کی ہیں۔ میرے حصہ کا صرف آم ہے۔ ایسے میں جو کچھ دماغ میں نہ آئے تھوڑا ہے۔ یا جو تھوڑا دماغ میں ہے وہ بھی نکل جائے تو کیا تعجب!

پھر عام تصور میں ایسی کائنات تعمیر کرنے لگتا ہوں جو صرف میرے لیے ہے جو میرے ہی اشارے پر بنتی بگڑتی ہے مجھے خالق کا درجہ حاصل ہے۔ اپنے مخلوق ہونے کا وہم بھی نہیں گزرتا۔ نہ اس کا خیال کہ زمانہ کسے کہتے ہیں نہ اس کی پروا کہ زندگی کیا ہے۔ دوسروں کو ان کا اسیر دیکھ کر چونک پڑتا ہوں۔ پھر یہ محسوس کر کے کہ میں ان لوگوں سے اور خود زمانہ اور زندگی سے علیحدہ بھی ہوں۔ اونگھنے لگتا ہوں۔ ممکن ہے اونگھنے میں پہلے سے مبتلا ہوں۔

☆☆☆